سیرت
امیر المومنین
حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام
حصہ اول
تالیف
علامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ

ہے۔ حیرت ہے کہ رہبر عالم کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد رائے عامہ کا سہارا لے کر نیابت و خلافتِ رسول کا تصفیہ کر لیا جاتا ہے اور جو کارِ نبوت کی انجام دہی میں پیش پیش رہا ہو وہ دنیا والوں کی بے توجہی و سرد مہری کا شکار ہو کر کنج عزلت اختیار کر لیتا ہے۔ حالانکہ یہ تقرر ان کے سب سے بڑھ کر سزاوار خلافت ہونے کا ثبوت تھا۔ مفسر قرآن ابن عباس بھی اس واقعہ سے آپ کے حقدار خلافت ہونے پر استدلال کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بیعت سقیفہ کی تکمیل کے بعد جب حضرت عمر نے ان سے کہا کہ اے عباس لوگوں نے حضرت علی کو اس کا اہل نہ سمجھا کہ انہیں ولی امر بنائیں تو ابنِ عباس نے کہا :۔

واللہ ما استصغرہ رسول اللہ اذ اختارہ بسورہ براۃ یقرأھا علی اھل مکۃ۔ (کنز العمال۔ ج ۶۔ صد ۳۹۱)	خدا کی قسم رسولؐ اللہ نے تو صرف انہی کو اس کا اہل سمجھا تھا کہ وہ اہلِ مکہ کو سورۃ براۃ کی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔

ابن عباس کا استحقاقِ خلافت کے سلسلہ میں سورہ براۃ کی تبلیغ سے استدلال کرنا یہ بتاتا ہے کہ وہ اسے علیؑ کی خلافت کا ثبوت اور نیابت و جانشینی کا عملاً اظہار سمجھتے تھے اور خود امیر المومنین نے بھی مجلس شوریٰ کے موقع پر اسے استحقاقِ خلافت کے ثبوت میں پیش کیا اور ارکانِ شوریٰ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

افیکم من اؤتمن علی سورۃ براۃ وقال لہ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ انہ لا یودی عنی الا انا او رجل منی غیری۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ۲ صد ۶۱)	کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ہے جسے سورۂ براۃ کی تبلیغ کے لئے امین منتخب کیا گیا ہو اور اس سے رسولؐ اللہ نے یہ فرمایا ہو کہ اسے میرے اور اس کے علاوہ جو مجھ سے ہو کوئی دوسرا نہیں پہنچا سکتا۔

اگر حضرت ابو بکر کی خلافت پر نماز کی امامت سے استدلال کیا جاتا ہے تو کیا سورۂ براۃ کی تبلیغ ان سے متعلق رہتی تو اسے ان کی خلافت کے اثبات کے لئے ایک قوی دلیل کی صورت میں پیش نہ کیا جاتا؟ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ جواب ہاں ہو۔ تو پھر حضرت علیؑ کی خلافت کے ثبوت میں اسے کیوں دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

دعوتِ مباہلہ

نجران یمن کے شمالی کوہستان میں صنعا سے دس منزل کے فاصلہ پر ایک زرخیز مقام تھا جہاں چھوٹی بڑی تہتر بستیوں میں کم و بیش چالیس ہزار عیسائی بستے تھے جو پہلے تو اہلِ عرب کی طرح بت پرست تھے مگر

فیمیون نامی ایک مسیحی راہب تھا معماری کے پیشہ سے گزر بسر کرتا تھا اپنا وطن روم چھوڑ کر یہاں آ بسا تو اس نے یہاں کے باشندوں کو دینِ عیسوی کی تعلیم دی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی بے لوث تبلیغ کے نتیجہ میں تمام آبادی نے عیسائیت قبول کر لی اور نجران عیسائیوں کا ایک اہم مرکز بن گیا۔ انہوں نے مذہبی مراسم بجالانے کے لئے ایک کلیسا بھی تعمیر کر لیا جو اونٹ کی کھالوں سے منڈھی ہوئی ایک بلند و بالا عمارت تھی اور اسے کعبۂ نجران کے نام سے موسوم کیا۔ وُہ عبادت کے اوقات میں وہاں جمع ہوتے اور نذریں پیش کرتے۔ ان نذروں اور چڑھاووں کے علاوہ کلیسا کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ دینار سالانہ تھی جس سے راہبوں اور مذہبی پیشواؤں کی پرورش ہوتی تھی۔

جب فتح مکہ کے بعد اسلام کو عروج حاصل ہوا اور متحارب گروہ سرنگوں ہو گئے تو آنحضرتؐ نے ان قبائل کو جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں پیغامات بھیجے۔ ۱۰ھ میں نصاریٰ نجران کو بھی ایک نامہ تحریر فرمایا اور انہیں اسلام قبول کرنے یا جزیہ دے کر مملکتِ اسلامی کی رعایا بننے کی دعوت دی۔ جب نجران کے اسقف اعظم (بشپ) نے آنحضرتؐ کا مکتوب پڑھا تو اس نے فوراً علاقہ کے تمام سربرآوردہ لوگوں کو جمع کر کے صورتِ حال سے مطلع کیا اور کہا کہ ہمیں سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیئے اور غور و فکر سے کوئی حل تجویز کرنا چاہیئے اس خبر سے اگرچہ پوری آبادی میں ہلچل مچ گئی تھی مگر کچھ من چلے بڑھ چڑھ کر باتیں کرنے لگے۔ اسقف اعظم نے انہیں روکا اور کہا کہ ہمیں جوش کے بجائے ہوش سے کام لینا چاہیئے اور مشتعل ہو کر اپنی تباہی و بربادی کا سامان نہ کرنا چاہیئے۔ جب لوگوں سے رائے لی گئی تو انہوں نے مختلف رائیں دیں اور آخر بڑی ردو کد کے بعد یہ طے پایا کہ ایک وفد مدینہ جائے اور پیغمبرؐ اسلام سے گفتگو کرے۔ اگر بات چیت سے کوئی حل نکل آئے تو بہتر ورنہ کوئی اور تدبیر سوچی جائے۔ چنانچہ چودہ آدمیوں کا ایک وفد عاقبؔ سید اور ابو حارثؔ کی زیر قیادت مدینہ روانہ ہوا۔ ان میں ابو حارثہ دنیائے عیسائیت کا اسقف اعظم اور مشہور عالم تھا اور سید اور عاقب تدبر و فراست اور معاملہ فہمی میں ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ جب یہ وفد مدینہ میں وارد ہوا تو اہلِ مدینہ ان کے زرق برق لباس ریشمیں عبائیں اور سج دھج دیکھ کر حیرت میں کھو گئے۔ کیونکہ اس سے پیشتر کوئی وفد اس طنطنہ اور طمطراق کے ساتھ یہاں نہیں آیا تھا۔ جب وُہ بنے ٹھنے مسجد نبوی کے قریب پہنچ کر سواریوں سے اترے اور اینٹھتے اور اکڑتے مسجد میں داخل ہوئے تو آنحضرتؐ نے اُن کے ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں اور جسموں پر دیبا و حریر کے لباس فاخرہ دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیا۔ اس دوران میں ان کی نماز کا وقت شروع ہو گیا اور انہوں نے مشرق کی سمت رُخ کر کے نماز شروع کر دی۔ کچھ لوگوں نے انہیں روکنا چاہا آنحضرتؐ نے فرمایا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور اپنے طریقہ پر نماز پڑھنے دو۔ نماز سے فارغ ہو کر انہوں نے کچھ

دیر توقف کیا۔ جب پیغمبر نے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی تو تیوریوں پر بل ڈالے اور باہر نکل آئے۔ مسجد کے باہر حضرت عثمان اور عبدالرحمٰن کو دیکھا تو حضرت عثمان سے شکوہ آمیز لہجہ میں کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں پیغام بھیجا اور جب ہم حاضر ہوئے تو منہ پھیر لیا اور جواب سلام تک نہیں دیا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ ایسا برتاؤ کیوں روا رکھا گیا ہے۔ حضرت علی کے پاس جائیے وہ اس کا مطلب بتا سکیں گے۔ چنانچہ وہ دونوں اس وفد کو لے کر حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے پیغمبرؐ کی بے التفاتی کا ذکر کیا آپ نے فرمایا کہ تم یہ ریشمیں عبائیں اور سونے کی انگوٹھیاں اتار کر اور سیدھے سادھے کپڑے پہن کر جاؤ۔ آنحضرتؐ تمہیں باریاب ہونے کا موقع دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور پیغمبرؐ نے نماز عصر سے فارغ ہو کر مختلف مسائل پر ان سے گفتگو کی اور جب انہیں اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا کہ ہم پہلے ہی سے مسلمان ہیں فرمایا تم مسلمان کیونکر ہو سکتے ہو جب کہ خنزیر کا گوشت کھاتے ہو، صلیب کی پرستش کرتے ہو اور مسیح کو ابن اللہ سمجھتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ بیشک مسیح ابن اللہ ہیں۔ اگر وہ ابن اللہ نہیں ہیں تو آپ فرمائیے کہ ان کا باپ کون تھا۔ اور کیا کوئی بغیر باپ کے بھی پیدا ہو سکتا ہے؟ آنحضرتؐ نے قرآن مجید کی اس آیت سے انہیں جواب دیا۔

ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل ادم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون۔	"اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے جسے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر کہا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔"

مطلب یہ تھا کہ عیسیٰؑ کا تو فقط باپ نہ تھا اور آدمؑ کا نہ باپ تھا اور نہ ماں تھی پھر انہیں خدا کا بیٹا کیوں نہیں کہتے انکے پاس اس کا تو کوئی جواب نہ تھا کٹھ حجتیوں اور کج بحثیوں پر اُتر آئے۔ جب وہ دلیل و حجت سے قائل ہوتے نظر نہ آئے تو اللہ کی طرف سے وحی ہوئی:۔

فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا و انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین ہ	"جب تمہارے پاس علم آچکا اس کے بعد بھی یہ لوگ عیسیٰ کے بارے میں تم سے حجت کریں تو ان سے کہو کہ آؤ اس طرح فیصلہ کریں کہ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو ہم اپنے نفسوں کو بلائیں تم اپنے نفسوں کو پھر اللہ کے سامنے گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔"

آنحضرتؐ نے نصاریٰ کو یہ آیت پڑھ کر سنائی اور انہیں مباہلہ کی دعوت دی۔ دعوتِ مباہلہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اگر صرف گفت وشنید اور افہام وتفہیم پر معاملہ ختم کر دیا جاتا تو وہ پلٹ کر یہ دعویٰ کرتے کہ ہم نے پیغمبرِ اسلام سے بحث و مناظرہ کیا مگر ان کی باتوں سے نہ ہماری تشفی ہوئی اور نہ وہ دلیل و برہان سے ہمیں قائل کر سکے۔ اب ان کی زبان بندی کا یہی ایک طریقہ تھا کہ انہیں مباہلہ کی دعوت دی جاتی کیونکہ مباہلہ میں یا اس کے نتیجہ میں شکست تو چھپنے والی بات ہی نہ تھی کہ باتوں کے ذریعہ اس پر پردہ ڈالا جا سکتا۔ اور سچ کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا۔ نصاریٰ پہلے تو اثباتِ حق کے اس طریقِ کار سے گھبرائے اور پھر کہا کہ ہمیں آج کے دن کی مہلت دیجئے کل ہم اس کے لئے تیار ہیں یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے مقام پر پہنچ کر آپس میں تبادلۂ خیالات کیا۔ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔ ابو حارثہ نے کہا کہ اگر کل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے اصحاب واتباع اور لاؤ لشکر کے ساتھ سطوت وشکوہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے آئیں تو بے کھٹکے مباہلہ کرنا اور اگر اپنے بچوں اور کنبہ والوں کو لے کر عجز وانکسار کے ساتھ آئیں تو پھر مباہلہ نہ کرنا۔

مباہلہ کی قرار داد طے ہونے کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے مدینہ کی آبادی سے متصل ایک جگہ مباہلہ کے لئے منتخب کی جسے سلمان فارسی نے خس وخاشاک سے پاک وصاف کیا۔ دوسرے دن صبح ہوتے ہی نصاریٰ مقام مباہلہ پر پہنچ گئے۔ مہاجرین وانصار بھی گھروں سے نکل آئے اور میدان میں جمع ہو گئے۔ جب پیغمبر اکرمؐ کو نصاریٰ کے پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے علی مرتضیٰ فاطمہ زہرا اور حسن وحسین کو مباہلہ میں شرکت کے لئے طلب کیا۔ سعد ابن ابی وقاص کہتے ہیں :۔

لما نزلت هذه الآية ندع ابناءنا وابناءكم دعا رسول الله عليا وفاطمة وحسنا وحسينا فقال اللّٰهم هؤلاء اهلي۔ (صحیح مسلم۔ ج ۲۔ ص ۲۸۶)

جب آیہ مباہلہ نازل ہوا تو رسول اللہؐ نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو طلب کیا اور کہا اے میرے اللہ یہی میرے اہلبیت ہیں۔"

ابن واضح یعقوبی نے تحریر کیا ہے :۔

غدا رسول الله آخذا بيد الحسن والحسين عليهما السلام تتبعه فاطمة وعلي ابن ابي طالب بين يديه۔ (تاریخ یعقوبی۔ ج ۲۔ ص ۶۶)

رسولِ خدا صبح صبح اس طرح نکلے کہ حسن وحسین علیہما السلام کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور پیچھے پیچھے جناب فاطمہ اور آگے آگے حضرت علیؑ تھے۔"

جب پیغمبرؐ میدان مباہلہ میں پہنچے تو ایک درخت کے نیچے دو زانو بیٹھ گئے اور علی کو آگے فاطمہ کو عقب

میں اور حسن و حسین کو داہنے بائیں بٹھا لیا۔ اور اُن سے کہا جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔ نصاریٰ نے جب پیغمبرؐ کے ہمراہ ایک مرد ایک خاتون اور دو بچوں کو دیکھا تو پہلے تو حیرت زدہ ہوئے اور پھر ایک مبہم سا خوف ان پر طاری ہو گیا۔ ابو حارثہ نے کہا:۔

یامعشر النصاریٰ انی لاری وجوھا	اے گروہِ نصاریٰ میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں
لو شاء اللہ ان یزیل جبلا من	کہ اگر اللہ چاہے کہ پہاڑ کو اس کی جگہ سے سرکا دے
مکانہ لازالہ بھا فلا تباھلوا	تو وہ ان چہروں کی خاطر سرکا دے۔ ان سے مباہلہ
فتھلکوا۔ (تفسیر کشاف۔ پارہ ۳)	نہ کرنا ورنہ تباہ و ہلاک ہو جاؤ گے۔

جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ پیغمبرؐ کے ہمراہ آنے والے ان کے داماد اور ابنِ عم علی مرتضیٰ اور بیٹی فاطمہ زہراؑ اور نواسے حسن و حسین ہیں تو صداقت و خود اعتمادی کے ان حسین پیکروں کو دیکھ کر ان پر برق خاطف گری اور چرخ نبوت کے نیرّ اعظم اور فلک ہدایت کے درخشندہ ستاروں کی تابانیوں سے ان کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں اور مباہلہ سے پیچھا چھڑاتے نظر آنے لگے اور اس تصور نے انہیں اور پست ہمت بنا دیا کہ اگر پیغمبرؐ کو اپنی صداقت پر مکمل وثوق و اعتماد نہ ہوتا تو وہ اس پُر خطر منزل میں غیروں کو لے کر آتے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو ساتھ نہ لاتے کیونکہ یہی وہ افراد تھے جن سے بقائے نسلِ رسولؐ وابستہ تھی اگر یہی بددعا کے نتیجہ میں ہلاک ہو جاتے تو نسلِ رسولؐ ہی ختم ہو جاتی۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کا اقدام وہی کر سکتا ہے جسے اپنی صداقت پر مکمل یقین اور اپنی حقانیت پر پورا بھروسہ ہو۔ ابھی نصاریٰ تذبذب کے عالم میں تھے کہ ابو حارثہ کے بھائی کرز ابن علقمہ نے جو اسلام کی صداقت سے متاثر ہو چکا تھا کہا کہ اے گروہ نصاریٰ مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ محمدؐ ہی وہ نبی خاتم ہیں جن کا تذکرہ ہمارے مقدس صحیفوں میں ہے ہمیں ان سے مباہلہ نہ کرنا چاہیئے۔ اس لئے جو نبیوں سے مباہلہ کرتا ہے وہ ہلاکتِ ابدی کے گڑھے میں گرے بغیر نہیں رہتا۔ ذرا آنکھیں کھول کر گردو پیش کا جائزہ لو کیا تمہیں فطرت کی جوشِ غضب میں اُبلی ہوئی نگاہیں عذاب کی آمد کا پتا نہیں دے رہیں۔ اب جو نظریں اٹھیں تو دیکھا کہ سورج کی چمک دمک پھیکی پڑ چکی ہے۔ فضا میں دھوئیں کے مرغولے اٹھ رہے ہیں شاخوں سے پتے جھڑ رہے ہیں اور پرندے آشیانوں سے بے آشیاں ہو کر زمین پر دُبکے پڑے ہیں۔ کائنات کے ان خشمگیں تیوروں کو دیکھ کر نصاریٰ کے دل دہل گئے۔ مباہلہ سے دست بردار ہو کر صلح کی درخواست کی آنحضرتؐ نے ان کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور حضرت علیؑ کو شرائط صلح طے کرنے کے لئے مامور فرمایا۔ حضرت نے اس شرط پر صلح کی کہ وہ سال میں دو مرتبہ ماہ صفر اور ماہ رجب میں ایک ہزار پارچے بطور جزیہ دیا کریں گے اور ہر پارچہ چالیس درہم کا ہو گا اور اگر یمن میں کبھی جنگ چھڑی تو وہ جنگی امداد

کے سلسلہ میں تیس زرہیں تیس نیزے اور تیس گھوڑے عاریۃً دیں گے اور اس کے صلہ میں وہ اپنی زمینوں پر بدستور آباد رہیں گے اور ان کے جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی۔

یہ فتح و سرفرازی تاریخ اسلام میں کیا تاریخ عالم میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد ہے کہ ایک طرف گنے چنے پانچ افراد ہیں جن میں ایک خاتون اور دو کمسن بچے بھی شامل ہیں جن کے جلو میں نہ مادی قوت و طاقت کے عساکر ہیں نہ اُن کے سروں پر خود نہ جسموں پر زرہیں اور نہ ہاتھوں میں تلواریں ہیں۔ وہ صرف یقین کی قوت اور اعتماد کی طاقت سے نجران کے نمایندہ وفد کو بے دست و پا کر کے اپنی صداقت کا لوہا منوالیتے اور اُن کے تمرد و شکوہ کو کچل کر ان کی گردنوں میں باجگزاری کا جوا رڈال دیتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ عیسائیوں نے مباہلہ سے انکار کر کے اپنی شکست اور اسلام کی فتح کا عملاً اعتراف کر لیا اور الوہیت مسیح کے سلسلہ میں اپنے عقیدہ و یقین کا پردہ چاک کر دیا۔ اگر انہیں اپنے مسلک کی صحت اور اپنے عقیدہ کی صداقت پر اعتماد ہوتا تو کبھی مباہلہ سے گریز نہ کرتے اور جزیہ قبول کر کے اپنے عقائد کی ناپختگی کا ثبوت نہ دیتے۔

اس موقع پر انصار و مہاجرین عشرۂ مبشرہ و اصحاب بدرین اور ان کی اولادیں موجود تھیں اور الفاظ قرآن میں بلحاظ جمع سب کے لئے گنجائش بھی تھی اور صحابہ اور ان کی اولاد و ازواج کو مباہلہ میں شریک کیا جا سکتا تھا مگر وسعت و گنجائش کے باوجود صرف حسنؑ حسینؑ فاطمہ زہراؑ اور علی مرتضیٰؑ منتخب ہوئے۔ اگر آیت کا مفہوم یہ ہوتا کہ دو بیٹوں ایک خاتون اور ایک اپنے دل و جان کو لے کر مباہلہ کے لئے نکلو تو پیغمبرؐ دوسروں کو یہ کہہ سکتے تھے کہ میں تمہیں بھی اس قابل سمجھتا تھا کہ مباہلہ میں شریک کرتا مگر حکمِ قرآن کے پیشِ نظر چار افراد سے زیادہ اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا اور دوسرے بھی کہہ سکتے تھے کہ اگر چار سے زائد افراد کے لے جانے کی گنجائش ہوتی تو وہ بھی شریک مباہلہ کئے جاتے مگر الفاظ میں انتہائی وسعت کے ہوتے ہوئے کسی کو شرکت کی دعوت نہ دینا اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ مباہلہ میں شمولیت سے مانع الفاظ کی تنگ دامنی اور تعداد کی قید نہ تھی بلکہ اس کے لئے جن اوصاف کی ضرورت تھی وہ ان منتخب ہستیوں کے علاوہ کسی اور میں نہ تھے ورنہ پیغمبرؐ بلاوجہ کسی کو نظر انداز نہ کرتے۔

مباہلہ کی منزل میں قدم رکھنے کے لئے دو صفتیں ازبس ضروری تھیں ایک یقین اور دوسرے صدق۔ یقین اس لئے کہ حسبِ ظاہر مباہلہ میں ہلاکت کا خطرہ تھا اور جب تک اپنے موقف کی صداقت پر یقین کامل اور اپنے دعویٰ کی صداقت پر وثوق تام نہ ہو کوئی عاقل معرضِ ہلاکت میں آ کھڑا نہیں ہوتا ایسے پر خطر موقع پر وہی ثابت قدم رہ سکتا ہے جس کا یقین غیر متزلزل ہو۔ ورنہ بے یقینی کے نتیجہ میں قدم لرز جاتے اور دل دہل جاتے۔ اسی ضرورتِ یقین کے پیشِ نظر آنحضرتؐ نے ان افراد کو منتخب کیا

جن کے یقین میں نہ کبھی کمزوری رونما ہوئی اور نہ شکوک و ابہام کے غبار سے دھندلا ہوا اگر کوئی اور بھی یقین کی اس منزل پر فائز ہوتا تو نظر انتخاب اس پر بھی پڑتی مگر کسی اور کا نظر انتخاب میں نہ آنا اس امر کی دلیل ہے کہ پیغمبرؐ انہی کو یقین کے بلند ترین مرتبہ کا حامل سمجھتے تھے۔ دوسری صفت صدق ہے۔ یہ اس لئے ناگزیر تھی کہ کذب سے ٹکراؤ تھا اور کاذبین کے مقابلہ میں صادقین ہی کو لایا جا سکتا ہے کیونکہ جھوٹی قوتوں سے وہی افراد برسرِ پیکار ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ سچائی کی راہ پر گامزن رہے ہوں۔ اور نصاریٰ نجران بنصِ قرآن کاذب تھے۔ کیونکہ ان کے عقیدوں میں کذب کار فرما تھا اس طرح کہ وہ تین خداؤں کے قائل تھے اور باپ بیٹا اور روح القدس کو الوہیت میں شریک سمجھتے تھے۔ مگر عقیدۂ توحید اتنا فطری ہے کہ تین کہنے کے ساتھ ایک بھی کہتے تھے اس فطری اور اعتقادی تصادم کے نتیجہ میں تین ایک اور ایک تین کا پیچیدہ اور ناقابلِ فہم مزعومہ عقیدہ بن کر ان کے ذہنوں میں رچ بس گیا تھا یہ عقیدۂ تثلیث چند لوگوں کے ذہن کی پیداوار ہے جو انتہائی کوششوں اور کاوشوں کے باوجود ابھی تک لاینحل ہے اس لئے کہ کوئی انسان عقل و شعور کی روشنی میں یہ مسئلہ حل نہیں کر سکتا کہ ایک تین کیسے ہو سکتا ہے اور تین ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ عقیدہ چونکہ واقع کے خلاف ہے کیونکہ واقع میں نہ تین خدا ہیں اور نہ ایک تین اور تین ایک کا کوئی مصداق اور جو چیز واقع کے خلاف ہو اسی کا نام کذب ہے۔ بلکہ اگر کوئی نظریہ واقع کے مطابق بھی ہو مگر زبان اس سے ہمنوا نہ ہو تو وہ بھی کذب ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے:۔

اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد	جب تمہارے پاس منافق آتے ہیں تو وہ یہ کہتے
انك لرسول الله والله يشهد	ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسولؐ
ان المنافقون لكاذبون۔	ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر دل زبان سے الگ ہو اس طرح کہ دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ ہو تو وہ بھی جھوٹ ہے اگرچہ زبان پر آنے والے کلمات واقع کے مطابق کیوں نہ ہوں۔ اور صدق یہ ہے کہ دل زبان کی صدا سے ہم آہنگ ہو اور جو زبان پر ہو وہ واقع کے مطابق بھی ہو اب صادق وہ ہو گا جس کی زبان کی ہر لفظ دل کا ہر ارادہ اور عمل کی ہر جنبش واقع کے عین مطابق ہو۔ اس سے کسے انکار ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے جن ذوات مقدسہ کو مباہلہ کے لئے منتخب کیا تھا ان کا ہر قول ہر عمل اور ہر ارادہ صداقت کا آئینہ دار تھا وہ اعتقاداً قولاً اور عملاً ہر لحاظ سے سچے تھے نہ ان کے قول و عمل میں کبھی کوئی غلطی دیکھی گئی اور نہ کبھی اُن کے عقیدہ میں کوئی لغزش نظر آئی۔ حضرت علیؑ خود فرماتے ہیں:۔

ما وجد لی کذبة فی قول ولا	پیغمبرؐ نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا شائبہ پایا

خطلہ فی فعل۔ (نہج البلاغہ) اور نہ میرے کام میں لغزش و کمزوری دیکھی۔"

اس انتخاب سے جہاں اہلبیت اطہار کی عصمت و صداقت اور دوسروں پر فوقیت و برتری کا اظہار ہوتا ہے وہاں اسلام میں ان کی بنیادی و اساسی حیثیت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اس طرح قدرت نے مباہلہ میں ان کی شرکت کو ضروری قرار دیا اور پیغمبرؐ نے اپنی دعا کا تکملہ ان کی صدائے آمین کو قرار دیا۔ اور انہی کے امتیازی کردار کی بدولت اسلام کو یہ فتح مبین حاصل ہوئی۔ حیرت ہے کہ جو کار نبوت کے سرانجام دینے میں پیغمبرؐ کے شریک کار ہوں اور جن کی شرکت کے بغیر مباہلہ کی تکمیل نہ ہوسکتی ہو وہ نیابت پیغمبرؐ کے سلسلہ میں اس طرح نظر انداز کر دیئے جائیں۔ کہ ادھر نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا جائے اور مشورہ تک میں ان کی شمولیت کو غیر ضروری سمجھا جائے۔

"دریں دیار مگر رسم باز دیدن نیست۔"

سریۂ بنی زبید

پیغمبر اکرمؐ تبوک سے پلٹ کر جب مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تو بنی مذحج کی ایک شاخ بنی زبید کا سردار عمرو ابن معدیکرب آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اور اس کے قبیلہ کے آدمیوں نے جو اس کے ہمراہ تھے اسلام قبول کر لیا۔ عمرو کا باپ معدیکرب دورِ جاہلیت میں مارا گیا تھا اس نے پیغمبر اکرمؐ سے کہا کہ میں اپنے باپ کے قاتل سے قصاص لینا چاہتا ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جاہلیت کے خون کا قصاص ختم کر دیا گیا ہے۔ اس وقت تو وہ خاموش ہو گیا مگر وہاں سے پلٹ کر وہ بغاوت و سرکشی پر اتر آیا اور بنی حارث ابن کعب پر حملہ کر کے انہیں قتل و غارت کیا اور اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہو گیا۔

پیغمبر اکرمؐ کو اس کے شر و فساد کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت علیؑ کو تین سو کے لشکر کے ساتھ یمن جانے کا حکم دیا تاکہ ان شورشوں کو دبائیں اور نصاریٰ نجران سے بھی جزیہ وصول کریں۔ جب حضرت علیؑ روانہ ہونے لگے تو پیغمبرؐ نے اپنے ہاتھوں سے علم سج کر آپ کو دیا اور اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر عمامہ باندھا جس کا ایک سرا سینہ پر تھا اور ایک سرا پشت پر اور فرمایا کہ اگر وہ لوگ لڑائی چھیڑیں تو تم ان سے لڑنا ورنہ از خود ابتدا نہ کرنا۔ اس لشکر کے ساتھ ایک اور لشکر خالد ابن ولید کی ماتحتی میں قبیلۂ بنی جعفی کی طرف روانہ کیا اور خالد کو یہ ہدایت کی کہ اگر کسی مقام پر دونوں لشکر یکجا ہو جائیں اور دشمن سے جنگ چھڑ جائے تو دونوں